**Research Journal Ulum-e-Islamia**
Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum-e-Islamia/
E-Mail:muloomi@iub.edu.pk ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online)
Vol.No: 32, Issue:01. (Jan-Jun 2025) Date of Publication: 01-04-2025
Published by: Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

# عصرِ حاضر میں پیشہ ورانہ اخلاقیات کا سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں جائزہ

# Exploring Professional Ethics in the Modern Era: In the Light of Prophet Muhammad (PBUH)'s Life

**Ayesha Siddiqa**
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University Islamabad.
Email of the corresponding atuthor: ayesha.siddiqa@yahoo.com

**Dr. Ikram Ul Haq**
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Riphah International University Islamabad. Email: ikram.haq@riphah.edu.pk

## Abstract:

Islam is a code of life that provides a complete guidance in every aspect of human life. A human being needs different ways of livelihood for his survival in society. So he adopts different kinds of professions. There are some ethics and moral values in every profession. But in current times one can easily observe the lacking of professional and ethical values in every field. How people in same profession should behave with each other? What kind of professional ethics should be observed and demonstrated at work place? In current paper we will find answers of these questions through qualitative research method. This paper also deals with work place ethics in the light of Prophet Muhammad's (PBUH) life and teachings. Because Prophet Muhammad (PBUH) Himself used to take professional approach in His affairs. In the light of the Prophet's teachings, professional ethics include principles such as truthfulness, honesty, hard work, justice, respect, and service to others. One should seek guidance from Prophet's (PBUH) life in order to perform his duties and make himself better at his work place. Islamic teachings on workplace ethics offer practical guidance for today's professionals. These simple but powerful teachings from the Prophet's (PBUH) life remain useful guides for workplace behavior today. When coworkers follow these basic principles of kindness, honesty, and fairness, they not only do better in their careers but also help create a better society.

**Keywords:** Profession, Ethics, Morals, Professional Ethics, Work Place Ethics, Values, Guidance

## تعارف:

اسلام ایک دینِ فطرت ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔ جہاں ایک طرف انسان کی دینی نشوونما کے لئے عقائد و عبادات پر مشتمل ایک جامع اور مستقل نظام عطا کرتا ہے وہیں وہ فرد کی سیاسی، سماجی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر تربیت بھی کرتا ہے۔ چونکہ انسان فطرتاً مدنی الطبع واقع ہوا ہے اس لئے وہ معاشرے میں اپنی بقا کے لئے ضروریاتِ زندگی کا محتاج ہے۔ ان ضروریاتِ زندگی میں مادی وسائل کی تلاش ایک انتہائی اہم ضرورت ہے۔ جس کے لئے انسان مختلف ذرائع و پیشے اختیار کرتا ہے۔ لیکن عصرِ حاضر میں جہاں ہم عمومی طور پر ہر طرف

اخلاقی زوال کا مشاہدہ کر رہے ہیں وہاں پیشہ ورانہ زندگی کی اخلاقیات بھی دم توڑتی نظر آرہی ہیں۔ جبکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ جائے ملازمت پہ ایک انسان کا سلوک اپنے ساتھیوں، ماتحتوں اور افسروں کے ساتھ مثالی ہو۔ ہر پیشے کے کچھ اصول اور اخلاقیات ہوتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ایک انسان اپنی شخصیت کو زیادہ بہتر اور پر اعتماد بنا سکتا ہے۔ اس لئے زندگی کے دیگر معاملات کی طرح اسلام پیشہ ورانہ زندگی میں بھی اخلاقیات کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرتا اور اس معاملے میں نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کو بطور مشعلِ راہ پیش کرتا ہے۔ چونکہ ہمارا موضوع پیشہ ورانہ اخلاقیات کے بارے میں ہے اس لئے ہم اب اخلاق کی تعریف، اس کی اقسام، اسلام میں اسکی اہمیت اور پیشہ ورانہ اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں پیشہ ورانہ اخلاقیات کی اہمیت سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں بیان کریں گے۔

**اخلاق کی تعریف:**

اخلاق کا مادہ خَلق یا خُلق سے ہے۔ امام راغب لکھتے ہیں کہ "خَلق اور خُلق اصل میں دونوں ایک ہی ہیں مگر ان میں فرق اتنا ہے کہ خَلقٌ بمعنی خلقت اس شکل وصورت پر بولا جاتا ہے جس کا تعلق ادراکِ بصر سے ہوتا ہے۔ خُلقٌ کا لفظ قویٰ باطنہ اور عادات وخصائل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا تعلق بصیرت سے ہے"[1]

اس لئے علم الاخلاق سے مراد وہ علم ہوا جس میں انسان کے عادات واطوار، مجلس یا آداب معاشرت سے بحث کی جاتی ہے۔ یعنی جو علم "بھلائی اور برائی کی حقیقت کو ظاہر، انسانوں کو آپس میں کس طرح کا معاملہ کرنا چاہیئے اس کو بیان، لوگوں کو اپنے اعمال میں کس منتہائے غرض اور مقصد عظمیٰ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے اس کو واضح کرے، اور مفید اور کار آمد چیزوں کے لئے دلیلِ راہ بنے علم الاخلاق کہلاتا ہے"[2]

**اخلاق کی اقسام:**

اخلاق کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں۔

1۔ اخلاقِ حسنہ۔

2۔ اخلاقِ رزیلہ۔

اخلاقِ حسنہ میں امانت، دیانت، صداقت، ایفائے عہد، ایثار و قربانی جیسے تمام اعلیٰ اخلاقی اوصاف شامل ہیں جن سے ایک بہترین معاشرے کو متصف ہونا چاہیئے۔ جبکہ اخلاقِ رزیلہ میں جھوٹ، چوری، چغلی، غیبت، بد دیانتی، منافع خوری جیسے افعالِ قبیحہ شامل ہیں جن سے ایک معاشرے کو پاک اور صاف ہونا چاہیئے۔ امام غزالی اخلاق کی اقسام کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ: "اگر نفس میں موجود کیفیت ایسی ہو کہ اس کے باعث عقلی اور شرعی طور پر اچھے افعال سرزد ہوں تو اسے حسنِ اخلاق کہتے ہیں، اور اگر عقلی اور شرعی طور پر ناپسندیدہ افعال سرزد ہوں تو اسے بد اخلاقی سے تعبیر کیا جاتا ہے"[3]۔

**اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اخلاق کی اہمیت:**

اسلام صرف ایک مذہب یا عقیدے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک نظریہ حیات، ایک طریقہ زندگی کا نام ہے۔ جو اپنے پیروکاروں کو دین و دنیا میں کامیاب وکامران دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے اسلام نے ہر شعبہ حیات چاہے اس کا تعلق معیشت سے ہو یا معاشرت سے، جنگ وجدل سے ہو یا امن و صلح سے، گھریلو زندگی سے ہو یا سیاست سے، اعمال سے ہو یا اخلاق سے انسانی رہنمائی کا سامان ضرور فراہم کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ رب العزت نے قومِ عرب کی طرف مبعوث فرمایا اور انہیں راہ راست پر لانے کا فریضہ آپ ﷺ کے سپرد کیا۔ عرب قوم اُس وقت بد اخلاقیوں میں ڈوبی ہوئی تھی اور بے راہ روی کا شکار تھی۔ اس لئے حضور پاک کے فرائض میں سب سے اہم فریضہ اس قوم کی اخلاقی تربیت اور تزکیہ نفس کا تھا۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ۔[4]

ترجمہ: "اور وہ ہی ہے جس نے اُن اَن پڑھوں میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا۔ جو ان پر اس کی آیات پڑھتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں، اگرچہ اس سے پہلے وہ لوگ شدید گمراہی میں مبتلا تھے"۔

اور پھر تیئیس برس کے عرصے میں شب وروز کی کوششوں سے حضور نبی کریم ﷺ نے اس تہذیب وتمدن سے عاری قوم کو اخلاقی لحاظ سے ایک تہذیب یافتہ قوم میں تبدیل کر دیا۔ جو نہ صرف خود اعلیٰ صفات سے متصف تھی بلکہ تہذیب وثقافت میں دوسری اقوام کی امام بن گئی۔ اسی لئے امتِ مسلمہ کو قرآن پاک میں خیر امت کا لقب عطا کیا گیا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد اب عالم کی تربیت کی ذمہ داری اسی امت کے حوالے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ•[5]

ترجمہ: "تم بہترین امت ہو جو اس لئے ظاہر کی گئی ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو"۔

اخلاقی لحاظ سے بھی اسلام سب سے پہلے بطور نمونہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ عالی کو پیش کرتا ہے کہ:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ•[6]

ترجمہ: "اور بے شک آپ ﷺ اخلاق کے سب سے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں"۔

حضور ﷺ کی بہت سی احادیث اخلاق کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي المِيزانِ أَثقَلُ مِن حُسنِ الخُلُقِ"۔[7]

ترجمہ: "مومن کی میزان میں حسن خلق سے زیادہ بھاری چیز کوئی نہیں رکھی جائے گی"۔

اسی کے ساتھ ساتھ حضور پاک ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی تکمیل حسن اخلاق کو قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"اِنَّمَا بُعِثتُ لِأُتَمِّم صَالِحَ الاَخْلَاقِ"۔[8]

ترجمہ: "بے شک میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں"۔

اسلام میں اخلاق کی یہ اہمیت ذکر کرنے کے بعد ہم اپنے اصل موضوع یعنی پیشہ ورانہ اخلاقیات کی طرف بڑھیں گے۔

## پیشہ ورانہ اخلاقیات کا معنی ومفہوم:

پیشہ اس ذریعے کو کہتے ہیں جس کی مدد سے انسان پیسہ کماتا ہے۔ ہر پیشے کی اپنی اخلاقیات ہوتی ہیں جن پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ اس لئے پیشہ ورانہ اخلاقیات کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ان سے مراد اقدار اور اوصاف کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو اس بات کا تعین کرتا ہے کہ ایک ملازم کو کام کی جگہ پر اور ساتھیوں کے ساتھ کیسا برتاؤ اختیار کرنا چاہیے[9]۔

## اسلام میں پیشے کی اہمیت:

انسانی زندگی میں روپے پیسے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ایک انسان کو بطور اشرف المخلوقات جو ذمہ داریاں دی گئی ہیں ان کو پورا کرنے کے لئے مادی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنی اور اپنے خاندان کی کفالت کے لئے بنیادی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا ہوتی ہیں تاکہ خاندان کا ہر فرد عزت کے ساتھ نشوونما پائے اور معاشرے میں اپنا مقام حاصل کر سکے۔ ان مادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک انسان ملازمت کرتا ہے، کاروبار کرتا ہے یا کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے۔ اسلام ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لئے اختیار کئے جانے والے تمام ذرائع کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام مال کمانے اور خرچ کرنے کے لئے حلال ذرائع اختیار کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ•[10]

ترجمہ: "اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے پاک چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو"۔

جبکہ مال کمانے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی مذمت درج ذیل انداز میں کی گئی ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ•[11]

ترجمہ: "اور اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ ہی ان کو حاکموں تک پہنچنے کا ذریعہ بناؤ، تاکہ تم لوگوں کے مال میں سے کچھ مال بطور گناہ کھالو اور جبکہ تم اس بات کو جانتے ہو"۔

اسلام میں رزقِ حلال کی تلاش کو شرعی فرائض کے بعد سب سے اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ حضور پاک ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

"طَلب كَسبُ الحَلالِ فَرِيضة بَعدَ الفَرِيضة"۔[12]

اس کے ساتھ ساتھ حصولِ رزق کے لئے اختیار کئے جانے والے ہر اس ذریعے کو اسلام پسند کرتا ہے جو شرعی حدود کے اندر ہو۔ اسلام میں ہر پیشے کو اہمیت دی گئی ہے اور کسی کو بھی حقیر نہیں سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ ہاتھ سے محنت مزدوری کرنے کو بھی پسند فرمایا گیا ہے۔ جو بندہ محنت سے روزی کماتا ہے حضور پاک ﷺ نے اسے افضل ذریعہ معاش قرار دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

قيل يارسول الله أي الكسب أطيب؟ قال: "عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور"۔[13]

ترجمہ: "رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی کمائی حلال وطیب ہے؟ ارشاد فرمایا: یعنی انسان کے ہاتھ کی مزدوری اور ہر ایسی خرید و فروخت جس میں جھوٹ نہ ہو"۔

اگر انبیاء کرام کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی رزق کمانے کے لئے مختلف ذرائع اختیار کیے تھے۔ اس سلسلے میں وہ چھوٹے سے چھوٹے کام کو بھی حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ خود حضور پاک ﷺ بچپن میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر اس نے بکریوں کو چرایا ہے۔ اصحاب نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ آپ نے بھی؟ فرمایا کہ میں بھی قراریط کے عوض اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا"[14]

بعد ازاں آپ ﷺ نے تجارت کو بطور پیشہ اختیار کیا اور اس میں ایسی پیشہ ورانہ اخلاقیات کا مظاہرہ کیا کہ دشمن بھی آپ ﷺ کی تعریف کیے بنا نہ رہ سکے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی اکثر تجارت کے پیشے سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ تجارت کے علاوہ مختلف صحابہ کرام نے حصولِ رزق کے لئے مختلف ذرائع اختیار کر رکھے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

كَانَ اَصْحَابُ الرَّسُولِ ﷺ عُمَّالَ اَنْفُسهم۔ یعنی "صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم خود اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے"[15]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک تاجر بھی تھے اور انہوں نے ذریعہ معاش کے لئے چمڑے کا کام بھی کیا تھا۔ فقہ حنفی کی کتاب شرح مختار میں ہے کہ: "عُمَرْ يعمَلُ فِى الاَدِيم"[16]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"تَعَلَّمُواالمهنة، فَاِنه يوشَک اَنْ يحتاجُ اَحَدُكُم اِلٰى مهنة"[17]۔

ترجمہ: "ہنر سیکھو کیونکہ عنقریب تمہیں ہنر کی ضرورت پیش آئے گی"۔

## عصرِ حاضر میں پیشہ ورانہ اخلاقیات کا سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں جائزہ:

اسلام ہمیں ہر شعبہ زندگی میں اخلاقیات کا درس دیتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے عہدِ حاضر میں لوگ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اخلاقیات سے محروم ہیں۔ تعلیم کا کام انسان کو شعور دینا ہے لیکن آج کل تعلیم صرف حصول روزگار کا ایک ذریعہ بن چکی ہے۔ جہاں عصرِ حاضر میں عمومی طور پر اخلاقی زوال دیکھنے میں آیا ہے وہیں حصول روزگار میں بھی ناجائز ذرائع آمدن کی طرف عوام کا رجحان بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اسی طرح کسی بھی پیشے میں کام کرنے والے افراد بھی آپس کے معاملات میں اخلاقی زوال کا شکار ہو چکے ہیں۔

ایک ہی شعبے میں کام کرنے والے افراد کو آپس میں کس طرح کا تعلق اختیار کرنا چاہیئے؟ اور کن پیشہ ورانہ اخلاقیات کا مظاہرہ کرنا چاہئے؟ ان سوالات کے جوابات سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ حضور پاک ﷺ خود معلم بھی تھے، قانون دان بھی

تھے، حاکم بھی تھے، سپہ سالار بھی تھے اور قاضی بھی۔ الغرض زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تمام دنیا کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ•[18]

ترجمہ: "بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"۔

آج بھی نہ صرف ایک مسلمان بلکہ ہر انسان اگر اپنی زندگی کے کسی بھی پہلو میں رہنمائی کا طالب ہے تو اس کے لئے حضور پاک ﷺ کی سیرت چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی رہنمائی کے لئے موجود ہے۔

حضور پاک ﷺ نے بطور ذریعہ معاش تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اتنی راست بازی، صداقت اور امانت کے ساتھ کاروبار کیا کہ کہ لوگ آپ ﷺ کو صادق اور امین پکارنے لگے۔ آپ ﷺ نے ایسے افراد کی تعریف فرمائی ہے جو اپنا کام صداقت اور امانت سے سر انجام دیتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

" التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ "۔[19]

ترجمہ: سچا اور امانت دار تاجر (بروزِ قیامت) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔

اسلام جس طرح زندگی کے دیگر معاملات میں اخلاقی رہنمائی کرتا ہے اسی طرح پیشہ ورانہ زندگی میں بھی اخلاقیات کو اپنانے پر زور دیتا ہے اور حلال رزق کمانے کی تلقین کرتا ہے اور اپنا کام مکمل ایمانداری، دیانت اور خلوص سے کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ پیشہ ورانہ اخلاقیات میں متعدد خصوصیات شامل ہیں اور ایک انسان ان خصوصیات کے ذریعے سے اپنے مالکان کا اعتماد حاصل کر سکتا ہے۔ ان اخلاقیات کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔

**1۔ اہلیت:**

پیشہ ورانہ اخلاقیات پر بات کرنے سے پہلے اس پر بات کرنا زیادہ ضروری ہے کہ کوئی بھی انسان جب کسی پیشے کو اختیار کرتا ہے تو کیا وہ اس پیشے کا اہل بھی ہے؟ کیا اس میں اتنی اہلیت ہے کہ وہ جس پیشے کو اختیار کر رہا ہے اس سے انصاف بھی کر سکے؟ ہم اپنے ارد گرد بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو کسی ایک شعبے سے وابستہ تو ہوتے ہیں لیکن اس کے لئے جو اہلیت درکار ہوتی ہے وہ اس سے محروم ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر پاکستان میں دیکھا جائے تو ہر دوسرا بندہ معلمی کے پیشے سے منسلک ہے اور اکثر اس کی وجہ پوچھنے پر جواب یہ ملتا ہے کہ اپنی مرضی کے شعبے میں ان کا انتخاب نہیں ہو سکا اس لئے آخری چارے کے طور پر انہوں نے اس پیشے کو اختیار کر لیا۔ جبکہ وہ اس پیشے میں کام کرنے کے اہل بھی نہیں ہوتے۔

اسی طرح اکثر و بیشتر سفارش اور رشوت کے ذریعے بھی کسی ایک نوکری کو حاصل کر لیا جاتا ہے لیکن ایسا بندہ بھی ضروری نہیں کہ اس نوکری کا اہل ہو۔ لاکھوں، کروڑوں روپیہ لگا کر لوگ ڈاکٹر اور انجینئر تو بن جاتے ہیں لیکن اپنے پیشے کے لحاظ سے مطلوبہ اہلیت نہیں رکھتے۔ اسی طرح حکام کو بھی چاہیئے کہ جب وہ کسی شعبے میں سرکاری طور پر کوئی منصب کسی کے حوالے کرنے لگتے ہیں تو پہلے یہ دیکھ لیں کہ وہ فرد مطلوبہ اہلیت کا حامل بھی ہے یا نہیں۔

اکثر اوقات کہیں رشوت اور سفارش اور کہیں تعلق اور قرابت کی بنیاد پر عہدے اور ملازمت تقسیم کی جاتی ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو ذاتی تعلق یا سفارش کی بنیاد پر یا رشوت لے کر کوئی عہدہ اور منصب سپرد کیا جاتا ہے تو ایسا کرنا خیانت ہے اور تمام ذمہ دار اس خیانت کے مرتکب ہوں گے۔ جبکہ اس سلسلے میں اگر اسلام کو دیکھا جائے تو اس کی تعلیمات بالکل واضح ہیں۔ قرآن پاک میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَاۙ•"[20]

ترجمہ: "بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حوالے کرو جو ان کے اہل ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں کہ "اس آیت میں حکام اور عوام دونوں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ امانتیں ان کے

حوالے کرنی چاہئیں جو ان کے اہل ہوں۔ ان میں ایک تو وہ امانتیں ہیں جو کسی نہ کسی کے پاس رکھوائی ہوں۔ ان میں خیانت نہ کی جائے بلکہ عند الطلب لوٹا دی جائیں۔ دوسرے عہدے اور مناسب منصب اہل لوگوں کو دیئے جائیں، محض سیاسی بنیاد، نسلی و وطنی بنیاد یا قرابت اور خاندان کی بنیاد پر عہدہ دینا اس آیت کے خلاف ہے"[21]

جب حضور پاک ﷺ نے اہل مدینہ کی درخواست پر وہاں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بطور مبلغ اسلام بھیجا تو ان کے اندازِ تعلیم و گفتگو سے متاثر ہو کر اہل مدینہ کا اسلام قبول کرنا بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ واقعی اپنے کام کے اہل تھے۔

**2۔ عہد و پیماں کی پابندی:**

انسانی زندگی میں عہد و پیمان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ دنیا کا کوئی انسانی معاشرہ اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا، جب تک اس میں وعدے کی تکمیل اور ایفائے عہد کو بنیادی مقام حاصل نہ ہو۔ اس کے برعکس جس معاشرے میں وعدے اور عہد کی پابندی کو بنیادی اہمیت حاصل نہ ہو، اُس معاشرے کے استحکام کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ وہ ایک زوال پذیر معاشرہ ہو گا، جہاں عہد و پیمان کو بنیادی اہمیت حاصل نہ ہو۔ پیشہ ورانہ زندگی میں بھی ایفائے عہد کی اہمیت مسلّم ہے۔ کسی بھی پیشے سے منسلک افراد کیلئے ضروری ہے کہ جب وہ آپس میں یا کسی بھی فرد یا ادارے کے ساتھ کوئی معاہدہ کر لیتے ہیں تو پھر اس کو پورا کرنا بھی ان کی اخلاقی ذمہ داری ہوتی ہے۔

جبکہ عصر حاضر میں اس اخلاقی ذمہ داری سے لوگ کماحقہ عہدہ برآ نہیں ہوتے۔ بسا اوقات معاہدہ تو کر لیا جاتا ہے لیکن پھر اس کو پورا نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد ان افراد سے اٹھ جاتا ہے۔ اگر ایک شخص کہیں ملازمت کرتا ہے تو اس ادارے میں جو اوقات کار متعین ہوں وہ ان اوقات میں اپنی ملازمت پر حاضر رہنے کا عہد کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان اوقات کی پابندی نہ کرے، دیر سے دفتر پہنچے، یا وقت سے پہلے دفتر سے نکل جائے، یا دفتر کے اوقات میں کاموں کو انجام دینے کے بجائے اپنے ذاتی کام کرنے لگے تو یہ بھی ملازمت کے وقت لئے جانے والے عہد کی خلاف ورزی میں شامل ہے۔ جبکہ آپ ﷺ نے معاہدے کی پابندی کو ایمان کا حصہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

" لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ"۔[22]

ترجمہ: "جس میں امانت کی پاسداری نہیں اس میں ایمان نہیں جس میں معاہدے کی پابندی نہیں اس کا دین نہیں"۔

اگر سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں بخوبی نظر آتا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے اپنی زندگی میں جب بھی کوئی معاہدہ کیا، تو مشکل سے مشکل حالات میں بھی اسے نبھایا۔ حضور پاک ﷺ نے جب قریش مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا تو اس معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ " قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر یعنی بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا، محمد ﷺ اس کو واپس کر دیں گے، لیکن محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص پناہ کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس آئے گا تو قریش اسے واپس نہ کریں گے "[23]۔

جب یہ معاہدہ طے پا چکا تو قریش کے سفیر سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے وہاں آ پہنچے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ تو سہیل نے کہا: " یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں آپ سے معاملہ کرتا ہوں کہ اسے واپس کر دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ابھی تو ہم نے نوشتہ مکمل نہیں کیا ہے۔ اس نے کہا تب میں آپ سے کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہ کروں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اچھا تو تم اسے میری خاطر ہی چھوڑ دو۔ اس نے کہا میں آپ ﷺ کی خاطر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا ابو جندل صبر کرو، اور اسے باعث ثواب سمجھو۔ اللہ تمہارے لئے اور تمہارے ساتھ جو کمزور مسلمان ہیں، ان سب کے لئے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے اور ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو اس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے، اس لئے ہم بد عہدی نہیں کر سکتے "[24]۔

آپ ﷺ نے وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت قرار دیا اور فرمایا کہ "جس میں تین باتیں پائی جاتی ہوں وہ منافق ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اگر امانت رکھی جائے تو خیانت کرے "[25]۔

**3۔واضح اہداف طے کرنا:**

زندگی میں سب سے مشکل کام کسی ہدف کو طے کرنا اور پھر اس کا تحفظ کرنا ہے۔جب انسان اپنے طے کیے گئے ہدف کو حاصل کرنے کے قریب پہنچتا ہے تو خوشی کے ساتھ ساتھ اطمینان بھی محسوس کرتا ہے۔کسی بھی ہدف کو طے کرنا، اس کو حاصل کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔جب کوئی شخص کسی پیشے کا انتخاب کرتا ہے تو اس کے سامنے بھی کوئی واضح مقصد یا ہدف ہوتا ہے جسے وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔اسی مقصد کے حصول کے لئے وہ دن رات محنت کرتا ہے اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔کام کرنے کی جگہ پر کوئی بھی رکاوٹ یا پریشانی کا موقع آئے تو بھی اس کی کوشش یہ ہی ہوتی ہے کہ اس کی توجہ اپنے ہدف اور مقصد پر ہی رہنی چاہیئے۔

لیکن یہ بات آج کل اکثر مشاہدے میں آتی کہ لوگ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں دباؤ برداشت نہیں کرسکتے۔چھوٹی چھوٹی بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ذرا سا مشکل وقت ملنے پر دلبرداشتہ اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔خبروں میں آئے روز کسی نہ کسی کی خودکشی کی خبر موجود ہوتی ہے اور اکثر اس کی وجہ بھی حالات سے مایوسی ہوتی ہے۔جبکہ زندگی میں نام اور مقام پیدا کرنے کے لئے بہت سے صعوبتیں جھیلنی پڑتی ہیں اور بہت سے عروج وزوال سے گزرنا پڑتا ہے، تب ہی انسان اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔

جب ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کو پھیلانے کا جو ہدف طے کر لیا تھا، پھر آپ نے اس کے رستے میں آنے والی ہر مصیبت اور پریشانی کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔دین اسلام کے لئے دشمنانِ دین کی طرف سے دی گئی کوئی بھی اذیت آپ ﷺ کو اپنے مقصد سے نہ ہٹا سکی۔یہاں تک کہ جب قریشِ مکہ نبی پاک ﷺ کو دینِ اسلام کی تبلیغ سے کسی طور بھی باز نہ رکھ سکے تو وہ جناب ابو طالب کے پاس آئے اور کہا:

" ابو طالب! آپ ہمارے اندر سن و شرف اور اعزاز کے مالک ہیں، ہم نے آپ سے گزارش کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو روکیے لیکن آپ نے انہیں نہیں روکا۔آپ یاد رکھیں ہم اسے برداشت نہیں کرسکتے کہ ہمارے آباءواجداد کو گالیاں دی جائیں۔ہماری عقل و فہم کو حماقت زدہ قرار دیا جائے اور ہمارے معبودوں کی عیب چینی کی جائے۔آپ روک دیجیے ورنہ ہم آپ سے اور ان سے ایسی جنگ چھیڑ دیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا۔ابو طالب پر اس زوردار دھمکی کا بہت زیادہ اثر ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں۔اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو۔اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہے۔یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اب آپ کے چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور وہ بھی آپ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں۔اس لیے فرمایا: چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر چھوڑ دوں کہ یا تو اللہ اسے غالب کردے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں تو نہیں چھوڑ سکتا"[26]۔

**4۔پابندیٔ وقت:**

اللہ رب العزت کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت وقت بھی ہے۔پورا نظام کائنات اسی وقت کا پابند ہے۔چاند، سورج، ستاروں کی گردش، دن اور رات کا بننا، موسموں کا آنا جانا، فصلوں، پھلوں اور پھولوں کے بھی اوقات مقرر ہیں۔تعلیمی ادارے، اسکول، کالج، دفتر وقت پر کھلتے ہیں اور وقت پر ہی بند ہوتے ہیں۔غرض یہ کہ زندگی کا ہر شعبہ وقت سے ہی منسلک ہے۔وقت کی پابندی نہ کرنے سے نظام زندگی درہم برہم ہو جاتا ہے۔جو اقوام وقت کی پابندی کا خیال نہیں رکھتیں وہ برباد ہو جاتی ہیں۔دُنیا میں ہر چیز کی کچھ نہ کچھ تلافی ہے مگر وقت کی نہیں ہوسکتی۔

پیشہ ورانہ زندگی میں تو وقت کی اہمیت اور زیادہ ہے۔لیکن آج ہمارے معاشرے میں سب سے سستی اور بے قیمت چیز اگر ہے تو وہ وقت ہے۔اس کی قدر و قیمت کا ہمیں قطعاً احساس نہیں ہے۔۔سرکاری ملازمین اور سرکاری اداروں میں وقت کی پابندی نہ کرنا ایک عام معمول بن چکا ہے۔ملازم پیشہ افراد کا اپنی جائے ملازمت پر دیر سے آنا، یا فضول بیٹھ کر خوش گپیوں میں وقت ضائع کرنا اور چھٹی کا وقت ہونے سے پہلے واپس چلے جانا ایک عام سی بات بن چکی ہے۔اگر ایک ملازم اپنے کام کی جگہ پر اوقاتِ کار کی پابندی نہیں کرے گا تو بھی وہ امانت میں خیانت کرے گا۔

جبکہ وقت کی پابندی کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوگی کہ "عبد اللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ ﷺ سے خرید و فروخت کی، آپ کی کوئی چیز باقی رہ گئی، میں نے وعدہ کیا کہ میں یہ چیزیں یہاں لے کر آتا ہوں۔ میں بھول گیا، یہاں تک کہ آج اور آئندہ کل کا دن گزر گیا۔ تیسرے دن میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ اسی جگہ پر موجود تھے۔ آپ ﷺ نے صرف اس قدر فرمایا: تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا، میں یہاں تین دنوں سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں"[27]۔

**5۔ سچائی و راست بازی:**

صدق و سچائی ایک ایسی خوبی ہے جس کی اہمیت صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب میں مسلّم ہے۔ کوئی بھی دین کذب بیانی اور خلاف واقعہ بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ راست بازی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود رب العالمین نے اپنی ذات کو اسی وصف کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا" •[28]

ترجمہ: "اللہ سے زیادہ سچی بات کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے"۔

سچائی ایک ایسی صفت ہے جس کی اہمیت زندگی کے ہر شعبے میں ہے لیکن پیشہ ورانہ زندگی میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ایک ہی جگہ پر کام کرنے والے افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپس میں اور اپنے معاملات میں صداقت اور سچائی کو اختیار کریں اور جھوٹ سے حتی الامکان پرہیز کریں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے معاشرے میں جھوٹ کا چلن بہت عام ہو چکا ہے۔ لوگ اپنی عمر، کاروبار، آمدنی اور تعلیم تک کے حوالے سے جھوٹ بولتے ہیں۔ پیشہ ورانہ زندگی میں تو جھوٹ بولنا عام وطیرہ بن چکا ہے۔ ہر فرد اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے کسی بھی حد تک جانے کے لئے اور دوسروں کو نیچا دکھانے کے لئے ہر طرح کا جھوٹ بولنے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔

جبکہ اگر نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا جائزہ لیا جائے تو آپ ﷺ کی پوری حیاتِ مبارکہ سچائی کو پر تو نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ کے اوصافِ مبارکہ میں سے سب سے زیادہ مشہور وصف سچائی اور امانتداری ہے۔ اہل مکہ آپ ﷺ کے جانی دشمن ہونے کے باوجود آپ کو صادق اور امین کہا کرتے تھے۔ جب حضور پاک ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانیہ تبلیغ کا حکم ہوا تو آپ ﷺ نے قریش کے سارے قبائل کو صفا پہاڑی پر بلایا اور آغازِ کلام اس سے کیا: "حاضرین اگر میں تمہیں کہوں کہ پہاڑ کی دوسری جانب سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے لئے بڑھتا چلا آ رہا ہے کیا تم میری بات تسلیم کرو گے؟ سب نے جواب دیا بے شک تسلیم کریں گے آج تک آپ کی زبان سے ہم نے کبھی ایسی بات نہیں سنی جو کہ غلط ہو"[29]۔

آپ ﷺ کی بے شمار احادیث سچائی کی اہمیت بیان کرتی ہیں۔ "حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ لیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور گناہ آتش جہنم کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں کذاب لکھ لیا جاتا ہے"[30]۔

**6۔ امانت و دیانت:**

امانت و دیانت کا شمار بھی محاسن اخلاق میں ہوتا ہے۔ یہ صفت حقوق العباد میں اور روز مرہ کے معاملات میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک امانت دار شخص وہ ہوتا ہے کہ اگر اس پر اعتماد کیا جائے تو وہ اعتماد پر پورا اترے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کاروباری یا روز مرہ کے دیگر معاملات میں ایمانداری سے کام لے۔ اگر اس کے سپرد کوئی اپنی رقم یا چیز کرے تو وہ اسے پوری دیانت سے واپس کرے۔ اس میں کوئی خیانت یا کمی یا نقصان نہ کرے۔ اسے کوئی ذمہ داری سونپی جائے تو اسے پورا کرے۔

اسلام نے امانت داری کی اہمیت کو بہت زیادہ اجاگر کیا ہے اور مالی معاملات کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر معاملے میں امانت و دیانت سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ یہاں تک کہ حضور پاک ﷺ نے امانت و دیانتداری کو ایمان کا حصہ قرار دے دیا اور فرمایا کہ:

" لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ"۔[31]

ترجمہ: جس میں امانت کی پاسداری نہیں اس میں ایمان نہیں جس میں معائدے کی پابندی نہیں اس کا دین نہیں"۔

آج کل ہم سمجھتے ہیں کہ امانت داری کا تعلق صرف مال سے ہے، اگر کسی نے ہمارے پاس کوئی مال رکھوایا تو اس کی حفاظت کرنا اور اسے وقت پر مکمل طور پر واپس کر دینا ہی امانت داری ہے۔ لیکن امانت داری میں اور بھی بہت ساری چیزیں شامل ہیں۔ جن میں عبادات کو خشوع و خضوع سے ادا کرنا، ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو اللہ کی مرضی سے اس کے رستے میں استعمال کرنا، کسی کے راز کی حفاظت کرنا، درست مشورہ دینا، کسی کے عیب کی پردہ پوشی کرنا، مزدور اور ملازم کا اپنا کام مکمل طور پر پورا کرنا بھی امانت داری میں داخل ہے۔

لیکن جب ہم اپنے گردو پیش پہ نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد امانت داری کی بجائے خیانت اور بددیانتی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ اگر ملکی حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ نیچے سے لے کر اوپر تک تمام شعبوں میں پیشہ ورانہ بددیانتی عروج پر ہے۔ ہر وہ شخص جو مزدور یا ملازم ہے یا خود مالک ہے وہ اپنے کام کی جگہ پر اپنی تمام صلاحیتوں کو عمل میں نہیں لاتا، آنے جانے کی اوقات میں پابندی نہیں کرتا، دیر سے آتا اور کام سے جلدی واپس چلا جاتا ہے یا کام کے دوران سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہ سب بھی خیانت ہی ہے۔

رسولُ اللہ ﷺ کی زندگی امانت داری کا بہترین نمونہ تھی۔ آپ ﷺ کو جو منصب نبوت اللہ کی طرف سے عطا ہوا تھا آپ ﷺ نے اس امانت کو بھی کماحقہ پوری دیانت داری سے امت تک پہنچایا۔"حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اس بارِ امانت کے پورا ہونے پر تمام صحابہ کرام سے گواہی بھی لی اور فرمایا"اور تم سے میرے متعلق پوچھا جانے والا ہے، تو تم لوگ کیا کہو گے؟ صحابہ نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے تبلیغ کر دی، پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپؐ نے انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا: اے اللہ گواہ رہ"۔[32]

آپ ﷺ کی امانت داری ہی کی وجہ سے کفارِ مکہ بدترین دشمن ہونے کے باوجود آپ کو صادق اور امین کہا کرتے تھے اور اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھوایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو بھی ان کی امانتوں کا اتنا پاس تھا کہ شب ہجرت بھی اپنی جان سے زیادہ ان کی واپسی کی پرواہ تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا"اے علی مجھے آج مکہ چھوڑ کر جانے کا حکم ملا ہے، آج میرے بستر پر میری سبز حضرمی چادر اوڑھ کر تمہیں سونا ہو گا۔ ذرا اندیشہ نہ کرنا تمہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ اس سارے پروگرام کا مقصد یہ تھا کہ جب رات کو اللہ کا محبوب اپنے کریم و قدیر رب کی حفاظت میں اپنے یارِ وفا شعار صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ ہجرت کر جائے تو سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ وہ امانتیں اپنے مالکوں تک پہنچا دیں۔ تاکہ قیامت تک آنے والے اپنوں اور بیگانوں پر یہ واضح ہو جائے کہ سیدنا محمد ﷺ 'الصادق' اور 'الامین' کے لقب سے اسی لئے ملقب ہوئے کہ وہ نازک ترین لمحات میں بھی اپنی شانِ امانت کا حق یوں ادا کرتے ہیں"[33]۔

**7۔ رازداری:**

راز کی حفاظت کسی بھی انسان اور قوم کی سب سے بڑی طاقت ہوا کرتی ہے۔ ایک مسلمان کی دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی دوسرے کا راز فاش نہ کرے کیونکہ راز کی طاقت ایک ایسی طاقت ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات راز کسی ایک شخص، ایک خاندان اور بعض اوقات پورے معاشرے سے متعلق ہوتے ہیں، جن کے فاش ہونے سے نقصان پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی راز ریاست کے متعلق بھی ہوتے ہیں۔ کسی ریاست کے اہم راز اس کے دشمن کے ہاتھوں میں چلے جانے سے ملک کے سنبھلنے کا امکان باقی نہیں رہتا اور اس ریاست کو شکست کی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

اسی وجہ سے اسلامی تعلیمات میں راز کو امانت قرار دیا گیا۔ چند لوگ اگر کسی جگہ بیٹھ کر باتیں کریں اور پھر علیحدہ ہو جائیں تو اس مجلس کی تمام باتیں ہر ایک کے لیے امانت ہیں۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ ان کی اجازت اور رضامندی کے بغیر ان باتوں کو پھیلانے کی کوشش کرے۔ اسی طرح پیشہ ورانہ زندگی میں جب بہت سے لوگ ایک ہی شعبے میں کام کرتے ہیں تو ان کے بھی بہت سے راز اور بہت سی رازدارانہ باتیں ہوتی ہیں۔ آج کل کے

اس دور میں جہاں ہر چیز میں مقابلہ بازی کا دور ہے وہاں ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کے منصوبوں اور خیالات سے وہاں موجود افراد کے علاوہ دوسرے واقف نہ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر ان باتوں کو پھیلا دیا جائے تو کسی کو ذاتی نقصان ہو یا ملامت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔ اسی طرح بسا اوقات اگر کوئی افسر اپنے ماتحت سے کوئی راز کی بات کر دے اور پھر وہ بات پھیل جائے تو بھی اس ماتحت کو نقصان اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

شریعت نے بھی اس کا لحاظ رکھا ہے اور مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ کسی بھی راز کو راز میں رکھیں اس کو پھیلانے کی سعی نہ کریں۔ البتہ کوئی راز ایسا معلوم ہو جائے جس کا تعلق فتنہ وفساد سے ہو اور جس سے دوسروں کا نقصان ہو سکتا ہے تو اس کو فاش کر دینا ضروری ہے تاکہ دوسرے لوگ نقصان سے محفوظ رہیں۔

اگر نبی پاک ﷺ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے پیشِ نظر بھی چونکہ ایک عظیم مقصد تھا اس لئے آپ ﷺ نے بھی ابتداً دعوتِ دین کے معاملے کو راز ہی رکھا۔ جب آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے قریبی اور قابلِ اعتبار لوگوں کو ہی اسلام کی دعوت دی۔ "جن میں عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا۔ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو ہوا۔ بالغ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ انہوں نے اسلام قبول بھی کیا اور اس کا اعلان بھی کیا۔ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے"[34]۔ بعثت کے بعد ابتدائی تین سالوں تک نبی کریم ﷺ نے دعوتِ دین کا معاملہ خفیہ ہی رکھا۔

## 8۔ صبر و تحمل:

صبر اور برداشت کی انسانی زندگی میں بڑی اہمیت ہے۔ ایک انسان کو اپنی روز مرہ کی زندگی میں بہت سے امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جہاں بہت سے مواقع پر صبر سے کام لینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان کو پیشہ ورانہ زندگیمیں تو قدم قدم پر صبر سے کام لینا پڑتا ہے اور نامساعد حالات کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بہت دفعہ اپنے افسرِ اعلیٰ اور ساتھیوں کی باتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کبھی الفاظ ہوتے ہوئے بھی اپنی زبان کو بند کرلینا پڑتا ہے اور کبھی جانتے بوجھتے دوسرے کا بوجھ اپنے سر پر لینا پڑتا ہے۔ کبھی اپنے آپ کو ایسے کام میں شریک کرنا پڑتا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ملتا۔ لیکن آج انسانوں کا سب سے بڑا مسئلہ صبر و تحمل کی کمی ہے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بلاوجہ الجھ پڑتے ہیں۔ غصے میں اور جلد بازی میں اٹھائے جانے والے قدم کی وجہ سے بعد میں شرمندگی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا تو مکہ کا سارا ماحول آپ ﷺ کے لیے اجنبی بن گیا۔ قریش مکہ نے جان سے مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپ ﷺ کی شان میں ہزار گستاخیاں کیں، مگر کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ غیظ و غضب سے بے قابو ہو کر آپ ﷺ نے کوئی کارروائی کی ہو۔ وہ لوگ جن کے درمیان آپ ﷺ کا بچپن اور جوانی گزری، جو آپ ﷺ کی امانت و صداقت کے مداح تھے اب آپ ﷺ کے مخالف اور جانی دشمن بن گئے۔ آپ ﷺ تن تنہا توحید کا پیغام لیے گھر سے باہر نکلے، مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ حالات کا رخ بدل گیا۔

فتح مکہ کے موقع پر اگر حضور پاک ﷺ چاہتے تو اہلِ مکہ کی طرف سے دی گئی تمام اذیتوں کا بدلہ لے سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے یہاں بھی صبر و تحمل سے کام لیا۔ اور ان سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔ "تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے پکار اٹھے۔ اَخٌ کَرِیمٌ وَ اِبنُ اخٍ کریمٍ ۔ ترجمہ: تو شریف بھائی ہے اور شریف زادہ ہے۔ ارشاد ہوا: "آج تم پر کوئی پکڑ نہیں ہے تم سب آزاد ہو"[35]۔

سیرت النبی ﷺ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قومِ عرب کے تاریخی انقلاب میں جہاں رسولِ اکرم ﷺ کی شیریں زبانی اور اعلیٰ اخلاق

کا حصہ ہے، وہیں آپ ﷺ کا صبر و تحمل، بردباری اور قوتِ برداشت نے بھی اس میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

**نتائج:**

دینِ اسلام اپنے ماننے والوں کی تربیت اور تزکیہ پر خصوصی توجہ دیتا ہے اور ان کی اخلاقی نشو ونما بھی کرتا ہے۔ اخلاقیات کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اوپر لازم ذمہ داریاں صحیح طریقے سے سرانجام دے اور کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائے۔ آج کے اس افراتفری کے دور میں جب ہر کوئی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے اچھے برے کی تمیز بھلا چکا ہے، وہیں اسلام ہر فرد کے حقوق و فرائض کا تعیین کرتا ہے اور ان کی ادائیگی کو بھی لازم ٹھہراتا ہے۔ اسلام ہر شعبہ زندگی کے لئے کچھ اخلاقی پابندیاں قائم کرتا ہے۔ خاص طور پر وہ تمام افراد جو باقاعدہ طور پر کسی پیشے سے وابستہ ہیں، یا کسی ادارے میں ملازم ہیں اور وہ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں کسی رہنمائی اور نمونہ عمل کے محتاج ہیں تو ان کے لئے لازم ہے کہ وہ سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کریں۔ پھر سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اپنی جائے ملازمت پر پیشہ ورانہ اخلاقیات کا مظاہرہ کریں، اپنے فرائض مکمل دیانتداری سے سرانجام دیں اور ملک و قوم کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔ کیونکہ حضور پاک ﷺ نے بھی اپنی تمام زندگی میں تمام اہم معاملات کو بہت پیشہ ورانہ انداز میں حل کیا۔ عصرِ حاضر کے تناظر میں تو پیشہ ورانہ ذمہ داریاں سرانجام دینے کے لئے سیرت النبی ﷺ کو اپنانا اور بھی ضروری ہے۔

**تجاویز و سفارشات:**

- پیشہ ورانہ اخلاقیات کو ہر سطح پر باقاعدہ طور پر درسی نصاب کا حصہ بنانا چاہیئے اور سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ان اخلاقیات کے لئے قانون سازی کی جانی چاہیئے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو سکے۔
- تمام پیشوں سے وابستہ افراد اور ہر ادارے میں کام کرنے والے افراد کے لئے ایک ضابطۂ اخلاق ہونا چاہیئے، جس کی پابندی ملازمین کے لئے ضروری ہو اور خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے۔
- پیشہ ورانہ اخلاقیات کی اہمیت کو اجاگر کرنے میں میڈیا کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے۔
- عوام میں پیشہ ورانہ اخلاقیات کا شعور پیدا کرنے کے لئے ان اخلاقیات پر مبنی پیشہ ورانہ کورسز کروائے جائیں۔

**مصادر و مراجع:**

---

1 حسین بن محمد الاصفهانی، **مفردات الفاظ القرآن**، مترجم: محمد عبدہ فیروزپوری (لاہور: عرفان افضل پریس)، 1/341۔

2 محمد حفظ الرحمٰن سیوہاری، **اخلاق اور فلسفہ اخلاق** (لاہور: خالد مقبول پبلشرز، 1976)، 13۔

3 محمد بن محمد الغزالی، **احیاء العلوم**، مترجم: شعبہ تراجم کتب (کراچی: المدینۃ العلمیہ)، 39/350۔

4 القرآن: 62/02۔

5 القرآن: 03/110۔

6 القرآن: 68/04۔

7 محمد بن عیسیٰ الترمذی، **سنن الترمذی**، کتاب البر، باب ماجاء فی حسن الخلق (بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1996)، 3/536۔

8 احمد بن حنبل، **مسند احمد بن حنبل**، باب مسند ابوہریرہ (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1997)، 14/513۔

9 Ruban, Arockia. (2012). Professional Ethics. *Xaverian Journal of Marketing*. 1. 60 - 66.

10 القرآن: 02/172۔

11 القرآن: 02/188۔

[12] احمد بن حسین البیہقی، **الجامع الشعب الایمان** (بیروت: مکتبۃ الرشد)، 11/175۔
[13] ابن حنبل، **مسند احمد بن حنبل**، کتاب مسند الشامیین، باب حدیث رافع بن خدیج، 28/502۔
[14] محمد کرم شاہ الازہری، **ضیاء النبی ﷺ** (لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)، 2/103۔
[15] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح** (بیروت: دار ابن کثیر، 2002)499۔
[16] عبد اللہ بن محمود بن مودود، **الاختیار لتعلیل المختار** (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، 4/170۔
[17] عبد اللہ بن محمد بن ابی الدنیا، **اصلاح المال** (بیروت: موسوعۃ الکتب الثقافیۃ، 1993)، 1/95۔
[18] القرآن: 33/21۔
[19] ترمذی، **سنن الترمذی**، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار، 2/498۔

[20] القرآن: 04/58۔
[21] صلاح الدین یوسف، **احسن البیان** (مکہ: شاہ فہد قرآن کمپلیکس)، 230۔
[22] ابن حنبل، **مسند احمد بن حنبل**، باب مسند انس بن مالک، 19/376۔
[23] صفی الرحمٰن مبارکپوری، **الرحیق المختوم** (لاہور: زاہد بشیر پرنٹرز، 2000)، 466۔
[24] مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، 467۔
[25] احمد بن شعیب النسائی، **سنن النسائی** (ریاض: دار الحضارۃ للنشر والتوزیع، 2015)، 675۔
[26] مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، 139۔
[27] ازہری، **ضیاء النبی ﷺ**، 5/364۔
[28] القرآن: 04/87۔
[29] ازہری، **ضیاء النبی ﷺ**، 2/270۔
[30] مسلم بن الحجاج القشیری، **الجامع الصحیح** (بیروت: داراحیاء التراث العربی، 1997)، 4/2012۔
[31] ابن حنبل، **مسند احمد بن حنبل**، باب مسند انس بن مالک، 19/376۔
[32] مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، 617۔
[33] ازہری، **ضیاء النبی ﷺ**، 5/50۔
[34] ازہری، **ضیاء النبی ﷺ**، 2/228۔
[35] شبلی نعمانی، سلیمان ندوی، **سیرت النبی ﷺ** (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 2012)، 1/348۔